ایک حدیث

عصبیت

واثلہ بن اسقع سے سنن ابوداؤد میں ایک روایت یوں ہے:

قلت یا رسول اللہ ما العصبیۃ ؟ قال ان تعین قومک علی الظلم میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ عصبیت کیا چیز ہے؟ فرمایا: اپنی قوم کے ظلم کی تائید وحمایت کرنا۔

افرادِ انسانی اور اقوامِ عالم میں یہ غلط رجحان ہمیشہ ہی رہا کیا ہے کہ فلاں کام ہمارے لیے تو جائز ہے اور دوسرے کے لیے ناجائز یا اس کے برعکس۔ یہ تفریق انسانی مساوات کے خلاف ہے اسی لیے حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ لایومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان سے لذت آشنا نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ نہ پسند کرے جو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا یہ عجیب بات ہوگی کہ کوئی چیز ہم اپنے لیے تو پسند کریں اور دوسروں کے لیے ناپسند کریں یا اس کے برعکس اپنے لیے ناپسند کریں اور دوسروں کے لیے پسند کریں۔ عدل اور مساوات بڑی اعلیٰ انسانی قدریں ہیں اور دنیا کے امن و امان کی وحید ضمانت ہیں۔ اور ان قدروں کا فطری تقاضا یہ ہے کہ پسند و ناپسند میں یگانہ و بیگانہ کے درمیان تفریق کو روا نہ رکھا جائے۔ اگر ہم میں فی الواقع اقدار کی محبت ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم انہیں اپنے اندر پیدا کرنا تو پسند کریں اور دوسروں کے اندر ان کی موجودگی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھیں۔ فرض کیجیے ہم چاہتے ہیں کہ ہم میں تقویٰ پیدا ہو تو اس خواہش کا عادلانہ تقاضا یہ بھی ہوگا کہ یہ اعلیٰ وصف دوسروں میں بھی پیدا ہو۔ اگر ہمارے دل میں کبھی یہ خیال آئے کہ ہم میں تو تقویٰ پیدا ہو جائے لیکن دوسروں میں نہ پیدا ہو تو یہ جذبہ خود نفسِ تقویٰ کے خلاف ہوگا۔ اسی طرح اگر خدانخواستہ ہماری یہ خواہش ہو کہ ہم دھوکے سے کسی کی رقم حاصل کر لیں تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اگر وہی دھوکا کوئی ہمارے ساتھ کرے تو ہماری پیشانی پر بل نہ آئے۔ یہ کیسی عجیب بات ہوگی کہ ایک کام ہم خود کریں تو اس پر خوشی محسوس کریں اور اگر وہی کام دوسرا کرے تو ناک بھوں چڑھانے لگیں۔ یہ تفریق صرف اس وقت ہوتی ہے جب انسان کو نفسِ اقدار سے محبت نہ ہو۔ یا برائیوں سے نفرت نہ ہو بلکہ محبت ہو صرف اپنی ذات سے اور نفرت ہو محض غیر ہونے کی وجہ سے۔

انفرادی حد تک یہ جذبۂ انسانی اگر عملاً قبول بھی کر لیا جائے تو دشواری وہاں ہوتی ہے جہاں قومی اور اجتماعی صورتِ حال درپیش ہو۔ آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو انفرادی کردار میں جواب نہیں رکھتے۔ عدل، مساوات، اخوت کا اعلیٰ نمونہ عمل رکھتے ہیں لیکن جب معاملہ قومی ہو جائے تو وہی تفریق شروع ہو جاتی ہے کہ فلاں کام ہم تو کر سکتے ہیں مگر تمہیں اس کا حق نہیں۔ جب معاملہ قومی و سیاسی نوعیت کا ہو جائے تو وہاں اعلیٰ ذاتی کردار رکھنے والے کے قدم بھی ڈگمگا جاتے ہیں۔ اس لیے کہ اس معاملے کا اثر پوری قوم اور پورے ملک کی سیاسیات پر پڑتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص لین دین کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں تو بڑا ہی ایماندار ہو اور کبھی کسی کی کوئی چیز نہ لیتا ہو لیکن جب لاکھوں روپے غبن کرنے کا موقع ملے تو اس میں ذرا بھی تامل نہ کرے۔ اعلیٰ انسانیت کی صحیح پرکھ اسی وقت ہوتی ہے جب وہ نجی اور ذاتی معاملات کی طرح اعلیٰ سطح کی قومی و ملکی سیاسیات میں عدل کا ثبوت مہیا کرے۔

قرآن کریم نے عدل جیسی اعلیٰ قدر کو محض چھوٹے چھوٹے معاملات ہی میں برقرار رکھنے کی تاکید نہیں کی ہے بلکہ وہ قومی معاملات میں بھی اسی طرح عدل کو باقی رکھنے کی تاکید کرتا ہے۔ وہ ظلم کو نہ انفرادی حیثیت میں پسند کرتا ہے اور نہ قومی و ملکی معاملات میں۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ لا یجرمنکم شنآن قومٍ علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی کسی قوم کی عداوت تمہیں بے عدلی پر نہ ابھارے۔ تم بہر حال عدل کرو۔ کیونکہ عدل تقویٰ سے قریب تر ہے ——— لیکن ملکی و قومی سیاسیات میں ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ ہر قوم دوسری قوم سے تو انصاف کی طالب رہتی ہے لیکن خود دوسری قوم کے ساتھ عدل کا سلوک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ اگر ایک قوم دوسری پر ظلم کرے تو مظلوم قوم واویلا مچا دیتی ہے اور اپنی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹنے لگتی ہے لیکن جب اس مظلوم قوم کو کوئی موقع ہاتھ آجائے تو دوسری کمزور قوم پر ظلم کرنے سے نہیں چوکتی۔ بلکہ اس ظالم قوم کے افراد اپنے ظالمانہ اقدام کو بالکل حق بجانب سمجھتے ہیں اور اس کی حمایت و تائید کے لیے قومی جذبات کو ابھارتے ہیں۔ یعنی جب خود ان پر ظلم ہو تو آہ آہ اور وہ خود دوسرے پر ظلم کریں تو واہ واہ۔

صحیح انسانیت تو یہ ہے کہ جب کوئی نیکی کا کام کر رہا ہو تو اس کا ساتھ دیا جائے خواہ وہ اپنی قوم کا آدمی ہو یا غیر قوم کا اور جب کوئی برائی کا ارتکاب کرے تو اس سے بیزاری و علاحدگی اختیار کی جائے اور اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے خواہ وہ اپنی ہی قوم کا فرد ہو۔ کسی کے غلط اقدام یا بے جا روش کا محض اس لیے ساتھ نہ دیا جائے کہ یہ ہماری قوم کا فرد ہے۔ اسی کا نام ہے عصبیت اور اسی کی وضاحت مندرجہ بالا ارشادِ نبویؐ میں کی گئی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ نفسِ عصبیت قومی ترقی کے لیے ضروری بھی ہے۔ اس کے بغیر نہ مسابقت ہوتی ہے، نہ مدافعت۔ کسی قوم و ملک کی سالمیت کی بقا عصبیت ہی کی بنیاد پر ہوتی ہے اور اس کے ایک فرد پر کوئی ہاتھ اٹھائے

تو دوسری قوم کے خلاف اعلانِ جنگ تصور کیا جاتا ہے تاآنکہ اس کی معقول تلافی نہ کر دی جائے۔ یہ عصبیت بُری نہیں بلکہ عین مطلوب ہے۔ مذموم عصبیت ——— جسے قرآن حمیۃ الجاہلیۃ کہتا ہے ——— یہ ہے کہ کوئی ظلم دیکھتے ہوئے بھی اس کی حمایت محض اس لیے کی جائے کہ یہ ہماری قوم یا اس کا کوئی فرد کر رہا ہے۔ یہی ہے وہ حقیقت جسے مندرجۂ بالا ارشادِ نبوی میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ ان تعین قومک علی الظلم۔

قرآن پاک نے تو قومی معاہدوں کو اپنی طرف سے توڑنے کی بھی ممانعت کی ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم جب تک وہ اپنے معاہدے پر قائم ہیں تم بھی قائم رہو۔ یعنی تم معاہدے کو توڑنے کا حق اسی وقت رکھتے ہو جب دوسرے معاہدہ شکنی کریں۔ اس جوابی معاہدہ شکنی کے لیے بھی قرآنی ارشاد یہ ہے کہ.....
.... فانبذ علی سواء یہ معاہدہ شکنی برابری کے اصول پر ہو جس کا مطلب یہ ہے معاہدے کی جس شق کو جس حد تک وہ توڑیں۔ اسی شق کو اور اسی حد تک تم بھی توڑو۔ یہ نہ ہو کہ ذرا سی غلطی پر تم پوری معاہدہ شکنی پر آمادہ ہو جاؤ۔ اس حکم کی اسپرٹ یہی ہے کہ جو بات تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کرو۔ اسلامی تاریخ کا یہ باب اتنا روشن ہے کہ ہمیشہ اوراقِ تاریخ پر ابھرا ہوا رہے گا۔ صلح حدیبیہ کی یہ دفعہ کون نہیں جانتا کہ: اگر قریش کا کوئی آدمی بھاگ کر مدینے چلا جائے تو اسے واپس کرنا پڑے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مدینے سے بھاگ کر قریش میں آجائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ اس معاہدے کے بعد جس شدت سے مسلمانوں نے اس کی پابندی کی ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔ حضرت ابوجندلؓ قید سے بھاگ کر آئے تھے اور انہیں حدیبیہ سے واپس کر دیا گیا۔ دو اور مسلمان بھاگ کر مدینے آگئے تو انہیں بھی واپس کر دیا گیا۔ یہ جانتے کے باوجود کہ ان لوگوں کو واپس کرنا گویا موت کے منہ میں ڈالنا ہے انہیں واپس کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ کیوں کیا گیا؟ محض اس لیے کہ معاہدہ تھا اور معاہدہ شکنی ظلم ہے اور اس ظلم میں خود اپنی قوم کا بھی ساتھ اس لیے نہیں دیا جا سکتا کہ ایسی اعانتِ ظلم دراصل عصبیت ——— حمیتِ جاہلیت ——— ہے اور حضورؐ کی ذاتِ بابرکات اسے مٹانے کے لیے آئی تھی نہ کہ باقی رکھنے کے لیے۔

نہایت دردمندانہ اور مؤدبانہ لہجے میں یہ گزارش کیے بغیر نہیں رہا جاتا کہ آج تمام مسلمان فرقوں میں یہ کمزوری پوری طرح موجود ہے کہ بعض افراد اور بعض تصورات کی حمایت محض اس لیے کی جاتی ہے کہ اس کا تعلق ہمارے فرقے اور اس کے مسلک سے ہے۔ بعض اوقات ضمیر گواہی دیتا ہے کہ یہ حمایت عدل و انصاف کی بنیاد پر نہیں لیکن حمایت و تائید صرف اس لیے کی جاتی ہے کہ اپنے فرقے یا جماعت کو بچھڑا کس طرح جائے؟ یہ دراصل عصبیت ہی کی ایک واضح شکل ہے اور کسی طرح محمود نہیں قرار دی جا سکتی۔ اگر آپ غور سے دیکھیں گے تو لازماً اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ فرقہ بندی کی بنیاد صرف یہی جذبہ ہے کہ بادبے حمایت فرد کی جائے۔ اس نوع کے جذبۂ حمایت سے ایسی فرقہ پرستی پیدا ہو جاتی ہے

جن کی تمام "شرک" پر ڈوٹ کرو دم لیتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ولا تکونوا من المشرکین ، من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا ۔ تم ان مشرکوں میں نہ ہو جانا جنھوں نے دینی تفرقہ (فرقہ بندی) پیدا کی اور مذہبی گروہوں میں بٹ گئے ۔ (محمد جعفر)

مجلہ

ثقافت

کا

آئندہ شمارہ

خلیفہ عبد الحکیم نمبر

جون اور جولائی ۱۹۶۰ء کا مشترکہ شمارہ ہوگا اور جولائی میں شائع کیا جائے گا۔ ثقافت کا یہ خاص نمبر پاکستان کے نامور فلسفی اور مصنف اور ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور کے بانی ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم مرحوم کی یاد میں شائع کیا جارہا ہے ۔

پاکستان ، ہندوستان ، ایران ، عراق ، جرمنی ، فرانس ، برطانیہ اور امریکہ کے نامور مصنفوں اور مفکروں نے اس شمارہ کے لیے مضامین لکھے ہیں اور مرحوم خلیفہ صاحب کے متعلق اپنے تاثرات قلم بند کیے ہیں ۔

ملنے کا پتہ :

سکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ۔ کلب روڈ ۔ لاہور (پاکستان)